قرآن نافہمی کے اسباب اور اس کا حل

تحریر: الشیخ عبدالرحمن کیلانی، رحمہ اللہ

قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل ہوا اور دنیا میں شاید عربی ہی ایک ایسی زبان ہے جو ترجمہ کے بغیر پڑھائی جاتی ہے۔ بچہ جب پہلی جماعت سے انگریزی پڑھنا شروع کرتا ہے تو استاذ اسے بتلاتا ہے A سے "Apple"، بمعنی ''سیب''، اسی طرح فارسی پڑھنے والے بچے کو ''آب اور است'' ہی نہیں پڑھایا جاتا بلکہ یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ ''آب'' بمعنی ''پانی'' اور ''است'' کے معنی ''ہے''..... لیکن جو بچے عربی پڑھتے ہیں انہیں صرف الفاظ ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ الفاظ کے معانی کا خیال کسی کو بھولے سے بھی نہیں آتا۔

اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہمیں یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ قرآن کریم کا ناظرہ پڑھنا ہی باعثِ برکت ہے۔ دلیل کے طور پر رسول ﷺ کا یہ ارشاد پیش کیا جاتا ہے:۔

''قرآنِ کریم کے ہر حرف کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملے گا۔ میں نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، ل الگ حرف ہے اور م الگ حرف''۔ (جامع ترمذی)

اس سے ہم عامیوں نے یہ سمجھ لیا کہ اگر قرآن کریم کو ناظرہ پڑھنے سے ہی اتنی زیادہ نیکیاں مل جاتی ہیں تو پھر ترجمہ پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے کی ضرورت بھی کیا ہے؟..... اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک (خیرکم من تعلم القرآن) ''تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے'' سے بھی ہم نے یہی سمجھ لیا کہ بس قرآنِ کریم ناظرہ پڑھنے پڑھانے سے ہی آپ ﷺ کے ارشاد کی کما حقہ تعمیل ہوگئی۔

لیکن معاملہ یوں نہ تھا جو ہم غلطی سے سمجھ بیٹھے۔ قرآنِ کریم جو عربی میں نازل ہوا ہے، صرف اہل عرب کیلئے نہیں، پوری دنیائے انسانیت کیلئے نازل ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں خواہ عربی ہوں یا عجمی، قرآن کریم پڑھنے کا زیادہ سے زیادہ شوق اور اس کی رغبت پیدا ہو۔ اور اہلِ عجم محض اس خیال سے کہ ابھی وہ قرآنِ کریم کے معانی اور مطالب نہیں سمجھتے، قرآنِ کریم کی تلاوت سے بھی غافل نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس کو ناظرہ پڑھنے کی ترغیب کا یہ فائدہ ہوا کہ ان مسلمانوں کے دلوں میں قرآنِ کریم کے معانی و مطالب بھی جلد از جلد سیکھنے کی تڑپ پیدا ہوئی اور انہوں نے نہ صرف دینی تعلیم کے حصول کیلئے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں بلکہ آنے والی نسلوں کیلئے شریعت کے ہر ہر پہلو پر ایسا قیمتی ذخیرہ بھی کتابوں کے اوراق میں محفوظ کر دیا کہ ان کے اس احسان سے ہم شاید کبھی بھی سبکدوش نہ ہو سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ مبارک جامع تھا، ہمارے بزرگوں نے اس کی حقیقت کو پہچان لیا اور اس پر عمل کر کے دکھلا دیا۔ لیکن ہم اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے اور نتیجتاً قرآنِ کریم کی تعلیمات سے دور ہٹتے چلے گئے۔

اگر بات صرف یہیں تک محدود رہتی تو بھی مسلمانوں میں ہمہ پہلو انحطاط رونما نہ ہوتا، علماء حق عوامی جہالت کے اس خلا کو ملکی زبان میں تبلیغ کے ذریعہ پر کر سکتے تھے لیکن ستم یہ ہے کہ اس قرآن نافہمی کے اور بھی بہت سے اسباب پیدا ہو گئے اور یہ ایک دلخراش حقیقت ہے کہ یہ اسباب ان لوگوں کے پیدا کردہ ہیں جنہیں ہم دین اسلام کی بزرگ ہستیاں سمجھتے ہیں۔ آج ہم انہیں اسباب کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

پہلا سبب: قرآن کریم کو مشکل ترین کتاب سمجھ لینا:

قرآن کریم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مد کر﴾ ''اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کیلئے آسان کر دیا ہے، تو کوئی ہے کہ سوچے اور سمجھے؟'' (القمر: ۱۷)

قرآن کریم کو آسان اس لئے بنایا گیا کہ یہ کتاب ان پڑھ لوگوں پر نازل ہوئی۔ ارشادِ باری ہے: ﴿وقل للذین اوتوا الکتب و الامیین أ سلمتم﴾ (ال عمران: ۲۰)

''اے پیغمبر ﷺ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہہ دو کہ کیا تم (اللہ کے فرمانبردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو'' دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا: ﴿ونزلنا علیك الکتب تبیانا لکل شیء و ھدی ورحمة وبشری للمسلمین﴾ ''اور ہم نے آپ ﷺ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا تفصیلی بیان ہے اور وہ مسلمانوں کیلئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے'' (النحل: ۸۹)

قرآن کریم کا اصل موضوع ''انسان کی ہدایت'' ہے لہٰذا ہدایت سے متعلق ہر چھوٹی بڑی بات اس کتاب میں پوری تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے اور یہ ذکر ٹھیٹھ عربی زبان میں ہے، تاکہ عوام و خواص سب لوگ اس سے برابر فائدہ اٹھا سکیں۔ ارشاد باری ہے: ﴿وانه لتنزیل رب العالمین نزل به الروح الامین علی قلبك لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین﴾ (الشعرآء: ۱۹۲ تا ۱۹۵)

''یہ قرآن پروردگار کا اتارا ہوا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر اترا ہے۔ آپ ﷺ کے دل پر تاکہ آپ ﷺ لوگوں کو ڈرائیں اور یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔''

پھر اس ٹھیٹھ عربی زبان میں کوئی الجھن یا پیچیدگی بھی باقی نہیں رہنے دی گئی، فرمایا ﴿الحمد الله الذی انزل علی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا﴾ ''سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر

یہ کتاب اتاری اور اس میں کسی طرح کی کجی اور پیچیدگی نہ رکھی۔''

مزید برآں ہدایت کے ان جملہ امور کو کئی طرح کی مثالوں سے اور مختلف انداز سے دہرایا اور بیان فرمایا گیا ہے تاکہ کسی شخص کے ذہن میں کوئی الجھن یا شک وشبہ نہ رہنے پائے اور وہ ان امور کے جملہ پہلوؤں کو آسانی سے ذہن نشین کرسکیں۔ ﴿انظر کیف نصرف الایات لعلھم یفقھون﴾ (۶۵/۶)

''دیکھو! ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح سے بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ سکیں''

لیکن ہمیں یہ بات باور کرادی گئی ہے کہ قرآنِ کریم ایک مشکل ترین کتاب ہے اور اس کو سمجھنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں ہے، لہٰذا عام لوگوں کیلئے یہی بہتر ہے کہ وہ کسی عالم دین کی اتباع اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن عام لوگوں کیلئے اتارا اور سہل زبان میں نازل کیا تھا لیکن ان ارشادات کے برعکس قرآن کو عوام کے ذہن سے بالاتر اور مشکل ترین کتاب قرار دے دیا گیا اور اس کا ثبوت آپ کو دینی مدارس میں مروجہ نصاب سے مل جائے گا۔ آپ کسی بھی دینی مدرسہ کے نصاب تعلیم پر نظر ڈالیے، آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم پڑھنے پڑھانے کی نوبت سب سے آخری سال آتی ہے۔ اگر کسی مدرسہ کا نصاب تعلیم 6 سال کا ہے تو تفسیر قرآن چھٹے سال، اور اگر 9 سال کا ہے تو نویں سال پڑھایا جاتا ہے۔ پہلے سالوں میں علی الترتیب صرف، نحو، منطق، ادب اور فقہ وغیرہ پڑھائے جاتے ہیں۔ اختتامی سال سے ایک سال قبل کو دورہ حدیث اور آخری سال کو قرآنِ کریم کی تعلیم کیلئے مختص کیا جاتا ہے۔ ایسے مجوزہ نصابِ تعلیم کی مصلحت خواہ کچھ بھی ہو، ایک عام آدمی یہی تاثر لیتا ہے کہ قرآنِ کریم شاید ان تمام کتابوں سے مشکل ترین کتاب ہے جبھی تو اس کی نوبت سب سے آخر میں آتی ہے۔

تقلید جامد: قرآنِ کریم کو سب سے آخر میں پڑھانے کی جو مصلحت بیان کی جاتی ہے، اس سے یکسر انکار کرنا مشکل ہے لیکن تکلیف دہ امر یہ ہے کہ حقیقتاً جس مصلحت کیلئے قرآنِ کریم کو آخر میں ڈالا گیا ہے، وہ کچھ اور ہے اور اسے پردہ راز میں رکھا جاتا ہے۔ یہ مقصد عقیدہ تقلید کی حفاظت ہے۔ مقلدین کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ قرآن وسنت کو اپنے امام کی فقہ کی عینک سے دیکھا جائے۔ پہلے طالب علم کو فقہ کی تمام متعلقہ کتب پڑھالی جاتی ہیں اور جب اس کے ذہن میں فقہ کی چھاپ لگ جاتی ہے تو وہ قرآن وسنت سے نتائج اخذ کرنے میں وہی روش اختیار کرتا ہے جو اس کے نصابِ تعلیم کی ترتیب کا منطقی نتیجہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ وہ اپنے امام سے ہٹ کر کچھ سوچنے کے قابل ہی نہیں رہتا اور اگر کہیں اسے الجھاؤ یا تضاد نظر آتا بھی ہے تو وہ اس کی تحقیق کی ذمہ داری اپنے امام کے سر ڈال دیتا ہے۔ کیونکہ تقلید کی تعریف ہی یہ کی جاتی ہے: (والتقلید قبول قول غیر بلا دلیل فکانہ جعل قلادۃ فی عنقہ) تقلید

کسی کے قول کو بغیر دلیل کے قبول کر لینے کا نام ہے۔ گویا کہ مقلد نے اپنی گردن میں اس کی اطاعت کا پٹہ ڈال لیا''
(شرح قصیدہ انمالی از ملا علی قاری حنفی) اس تعریف سے واضح ہے کہ مقلدین ذہنی طور پر اپنے امام کو امام نہیں بلکہ پیغمبر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ پیغمبر ہی ایک ایسی ہستی ہوسکتی ہے جس کی بات بلا دلیل قبول کی جائے۔ پیغمبر کے علاوہ کوئی اور ہستی معصوم اور خطا سے پاک نہیں ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ جس تحقیق کی ذمہ داری امام کے سر ڈالی جاتی ہے وہ خود اس ذمہ داری کو قبول کرنے کیلئے قطعاً تیار نہیں ہیں، ہمارے ہاں زیادہ تر حنفی مذہب ہی رائج ہے اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے کہ ''جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے''!..... بلکہ آپ نے یہاں تک کہہ دیا: کہ ''اگر حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر پٹخ دو'' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے معروف شاگردوں امام محمدؒ اور امام زفرؒ نے بہت مسائل میں آپ سے اختلاف کیا لیکن آج صورتحال یہ ہے کہ امام موصوف کے ان اقوال کے باوجود ان کے مقلدین حدیث کی تو دور اذکار تاویلات میں مشغول ہو جاتے ہیں یا اس کی ذمہ داری امام کے سر ڈال کر اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ لیکن اپنے امام کے قول کو چھوڑنا انہیں قطعاً گوارا نہیں ہوتا۔ اگر فقہ سے پہلے قرآن وحدیث پڑھایا جائے تو طالب علم کے ذہن میں پہلے چھاپ قرآن وحدیث کی ہوگی۔ مسائل کے حل اور نتیجہ نکالنے میں وہ فقہ سے مدد لے گا لیکن عملاً مقلد نہیں رہ سکتا، لہٰذا تقلید کے عقیدہ کی حفاظت کیلئے یہ ضروری سمجھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم سب سے آخر میں رکھی جائے۔ فقہ کی تالیف کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں مسائل حاضرہ کا قیاس اور اجتہاد کے ذریعہ صحیح حل تلاش کیا جائے۔ آئمہ فقہاء نے اس مقصد کے پیش نظر اپنے اپنے دور میں فقہ کو مرتب کیا اور اس دور کے مسلمانوں نے یہی کچھ سمجھا لیکن بعد کے مسلمانوں نے آئندہ اجتہاد کو شجر ممنوع قرار دے کر ہر چہار ائمہ فقہ میں سے کسی ایک کی اتباع کو اسلام کا جزو بنا دیا۔ پانچویں صدی ہجری میں یہ عقیدہ اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ جو شخص مخصوص امام کا مقلد نہ ہوتا، اسے بطور گالی یہ کہا جاتا تھا کہ وہ چاروں مذاہب سے باہر ہے، بالفاظِ دیگر اس کا اسلام ہی مشکوک ہے۔ اس جامد تقلید نے مسلمانوں کے حواس معطل کر دیئے۔ قرآن وحدیث کو پڑھنے پڑھانے اور اس میں غور وفکر کی ضرورت ہی کو ختم کر دیا گیا تو اس کی صلاحیت کہاں باقی رہتی؟ اس صورتحال کا نقشہ پروفیسر محمد سلیمان اظہر (بحوالہ تاریخ فرشتہ) سیرت محمد بن عبدالوہاب میں یوں کھینچتے ہیں:

''عربی سے صرف چند لوگ ہی آشنا تھے اور انہوں نے جاہل عوام کو بھیڑوں کا گلہ بنائے رکھنے کیلئے عربی میں موجود اسلامی امور پر اجارہ داری قائم کر رکھی تھی، ملکی زبان میں کتاب وسنت کے نہ تراجم تھے نہ شروحات، لوگ کبھی کبھی قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے لیکن اس میں کیا لکھا ہے، اس سے سراسر ناآشنا تھے۔ تقلید وجمود کی بندشیں

اس قدر مضبوط ہو چکی تھیں کہ ایک مناظرہ میں خواجہ نظام الدین اولیاء نے جب اپنی تائید میں ایک روایت بطورِ استدلال پیش کی تو ہندوستان کے سب سے بڑے فقیہ خواجہ رکن الدین صاحب نے کہا: میں مقلد ہوں اور آپ بھی مقلد ہیں۔اس لئے حدیث کی کیا ضرورت ہے، امام ابوحنیفہؒ کا قول پیش فرمائیے''

ظاہر ہے کہ ایسا عقیدہ قرآن وسنت کے یکسر منافی ہے۔صحابہؓ اور تابعینؒ آخر کس امام کے مقلد تھے؟ جبکہ فقہ کی تدوین ہی بہت بعد میں ہوئی۔نیز آیت ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾ کے مصداق دین کی تکمیل بہت پہلے ہو چکی تھی اور اسلام مکمل صورت میں موجود تھا۔بایں ہمہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تا قیامت اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے لہٰذا تاریک سے تاریک دور میں بھی علماء حقہ کی ایک جماعت نے خواہ وہ کتنی ہی قلیل ہو، قرآن و سنت کو سینہ سے لگائے رکھا اور باطل سے برسرِ پیکار رہی، حقیقتاً یہی جماعت اہلِ سنت تھی جو بعد میں اہلِ حدیث کے نام سے موسوم ہوئی۔اہلِ سنت والجماعت کا لفظ ابتداء اہلِ تشیع کے مقابلہ میں استعمال ہوا۔شیعہ حضرات کے سوا باقی تمام مسلمان اپنے آپ کو اپنے اماموں سے منسوب کرنے لگے۔یہ لوگ اختلافی مسائل میں اپنے اماموں کی رائے کو حدیث پر ترجیح دیتے تھے۔لہٰذا مقلد اور اہل الرائے کہلائے اور جو مسلمان کسی خاص امام کے مقلد نہ تھے وہ غیر مقلد اور اہل الرائے کے مقابلہ میں اہلِ حدیث کے نام سے مشہور ہوئے۔گویا نام کو تو یہ سب مسلمان اہلِ سنت تھے مگر عملاً اہل سنت یہی اہل حدیث رہ گئے۔یہ جماعت دینی مدارس میں رائج درس نظامی کی اس ''مصلحت'' سے خوب واقف تھی، لہٰذا اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتی رہی۔جناب حافظ نذر محمد صاحب پرنسپل شبلی کالج لاہور اپنی تصنیف ''مدارس عربیہ کا جائزہ'' میں ''درسِ نظامی میں اصلاحات کی تجاویز'' کے تحت صفحہ ۶۰۷ پر یوں رقم طراز ہیں:

''درس نظامی پر بیرونی حلقوں سے مسلسل یہ اعتراض رہا ہے کہ مدارسِ اہل حدیث کے علاوہ باقی تمام مدارس میں قرآن وحدیث کو صرف آخری سالوں میں سبقاً سبقاً پڑھایا جاتا ہے حالانکہ دین کے یہی اصل الاصول ہیں، کسی نہ کسی نہج پر ان کا مطالعہ ابتدا سے شروع ہونا چاہیے۔''

دوسرا سبب پیرانِ عظام کے مخصوص نظریات

ولایت کا معیار: اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں اسلام زیادہ تر صوفیاء کرام کے ذریعہ سے ہی پھیلا۔یہ لوگ خود عموماً عالم باعمل تھے۔لیکن بعد میں آنے والے جانشین قرآن وسنت کی تعلیم سے بے بہرہ ہوتے چلے گئے اور اس کی وجہ غالباً وہی ہے جو پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ولایت کا معیار کرامات اور خوارق عادات

واقعات قرار پا گئے اور یہی اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی سب سے بڑی دلیل ہے، کرامات کے ظہور کیلئے دیندار اور متقی ہونا تو کجا، مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں کیونکہ ہندوؤں کے جوگیوں اور سادھوؤں سے بھی ایسی کرامات اور خوارقِ عادات واقعات کا ظہور اکثر ہمارے اولیاء کرام کے تذکروں میں موجود ہے۔ یہی ہندوانہ تاثر مسلمانوں نے بھی اپنایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ آیت بھی چسپاں کر دی ﴿ألا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون﴾ (۱۰/۶۲) ''سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے''۔ لیکن علم کی کمی کی وجہ سے یہ خیال کسی کو بھی نہیں آتا تھا کہ قرآنِ کریم جن لوگوں کو اولیاء کہتا ہے، ان کے اوصاف کیا ہیں؟ کیا وہ اولیاء یہی لوگ ہیں جو خوارقِ عادت واقعات کے حصول کیلئے قبروں پر مراقبے کرتے اور مختلف قسم کی چلہ کشی کو اپنا رویہ بناتے ہیں؟ شریعت میں تو سرے سے مزاروں کا وجود، مراقبے اور چلہ کشی ہی ممنوع ہے، تو پھر یہ لوگ اولیاء کیسے ہو گئے؟ اس کے برعکس قرآن مجید ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دوست قرار دیتا ہے جو مومن، متبع شریعت ہوں، اتقان کے درجے پر ہوں، آیتِ مذکورہ بالا سے اگلی آیت یوں ہے: ﴿الذین امنوا و کانو یتقون﴾ (۱۰/۶۲) ''(یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔''

شریعت، طریقت اور معرفت کا عقیدہ: اس مشکل سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہی تھا کہ مریدوں کو قرآن کی تعلیم سے نا آشنا رکھا جائے، چنانچہ مریدوں کو یہ ذہن نشین کرایا گیا کہ شریعت جو قرآن و حدیث میں مذکور ہے، یہ محض ابتدائی اور سطحی درجہ ہے۔ اس سے اگلی سٹیج حقیقت اور سب سے اعلیٰ درجہ معرفت ہے۔ اور یہ بھی باور کرایا گیا کہ پیرانِ عظام ''معرفت'' کے بلند تر مقام پر فائز ہوتے ہیں لہٰذا انہیں شریعت کی حدود و قیود سے پرکھنا درست نہیں ہے۔ یہ لوگ صاحب حال ہوتے ہیں لہٰذا ان کے اعمال و کردار کا ظاہری شریعت کے احکام سے مقابلہ کرنا ان کی شان کے خلاف ہے۔ حتیٰ کہ اگر یہ پیرانِ باصفا کسی ایسی بات کا حکم دیں جو شریعت کے سراسر خلاف نظر آتی ہو تو بھی مرید پر لازم ہے کہ وہ بلا چون و چرا اس کی اطاعت کرتا چلا جائے۔ صرف اسی صورت میں وہ سلوک کی منازل طے کر سکتا ہے۔ حافظ سعدی شیرازی متوفی ۸۹۱ھ نے انہیں افکار و نظریات کو اپنے درج ذیل شعر میں قلمبند کیا ہے:

بہ مے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید کہ سالک بے خبر نبود از راہ و رسم منزل ہا

''اگر تجھے بزرگ پیر اپنے مصلی کو شراب میں رنگین کرنے کا حکم دے تو ضرور ایسا کر کہ سالک (سلوک) کے آداب و مراسم سے ناواقف نہیں ہوتا'' ظاہر ہے کہ قرآن و سنت میں ایسی بیہودہ باتوں کی کوئی گنجائش نہیں لہٰذا اگر

قرآن کی تعلیم عام ہو جائے تو ان کے کاروبار پر کاری ضرب پڑتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے عمداً وطیرہ اختیار کیا کہ اپنے مریدوں کو قرآنی تعلیمات سے بے خبر رکھیں اور انہیں غفلت کی نیند سویا رہنے دیں۔

غوث، قطب، ابدال: یہ بات اس سے بھی آگے بڑھتی گئی اور یہ چیز بھی عقیدہ میں شامل کر دی گئی کہ اس دنیا میں ہر وقت ۳۱۳ نجیب موجود رہتے ہیں پھر ان میں سے ۷۰ نقیب ہوتے ہیں۔ ان میں سے ۴۰ ابدال ہوتے ہیں۔ پھر ان میں سے ۷ قطب ہوتے ہیں، ان میں سے ۴ اوتار اور پھر ان میں سے صرف ایک غوث کا اعلیٰ مقام حاصل کرتا ہے جو ہمیشہ مکہ مکرمہ میں رہتا ہے، جب بھی اہلِ زمین پر کوئی ارضی یا سماوی آفت نازل ہوتی ہے تو وہ نجباء کی طرف رجوع کرتے ہیں، نجیب یہ درخواستیں نقیبوں کو پیش کرتے ہیں اور بالآخر یہ درخواست درجہ بدرجہ غوث تک پہنچتی ہے جس کا علم اللہ کے علم کے برابر ہوتا ہے اور اس کی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کم نہیں ہوتی اور وہ ان مصائب کو دور کر دیتا ہے۔ العیاذ باللہ! یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ ان عقائد نے کہاں سے راہ پائی اور ان بیہودہ عقائد کے ماخذ کیا ہیں، قرآن وحدیث اور سیرت کی کتابوں میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حضرت حسن کو غوث اول کہا جاتا ہے تو آخر تاریخ وسیر کی کتب کیوں خاموش ہیں؟ پھر ان کی اقامت مکہ مکرمہ میں نہ تھی۔ پیر عبدالقادر جیلانی جو غیاث المستغیثین یا سب سے بڑے غوث سمجھے جاتے ہیں، ساری زندگی بغداد میں رہے، ان کا مولد ومدفن بھی یہی جگہ ہے تو پھر جب وہ غوث کی شرائط ہی پوری نہیں کرتے تو غوث کیونکر ہو گئے؟ ان مذکورہ دو غوثوں کے علاوہ آج تک کون کون سے غوث پیدا ہوئے اور آج کل مکہ مکرمہ میں کون صاحب غوث کے مقام پر فائز ہیں۔ یہ ایسے سوالات ہیں، جن کا جواب ان لوگوں کے پاس بھی نہیں ہے جو اس کے دعویدار ہیں۔ اگر قرآن وسنت کی تعلیم عام ہو جائے تو ریت کے تودہ پر تعمیر شدہ یہ عمارت دھڑام سے زمین پر آ گرتی ہے، لہٰذا ان غلط عقائد کا تحفظ اسی بات میں تھا کہ جاہل عوام کو قرآن وسنت کی تعلیمات کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جائے۔

مزارات اور آستانوں کا وجود: اس کا ایک اور پہلو مزاروں اور آستانوں کا وجود بھی ہے۔ جو قرآنی تعلیمات عام ہونے کی صورت میں یقیناً خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ اگر آپ کو کسی مزار یا آستانے پر جانے کا اتفاق ہو تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ وہاں مشرکانہ رسوم کس کس طور ادا کی جاتی ہیں۔ عقیدتاً لوگوں کو کیونکر گمراہ کیا جاتا ہے؟ ایسے لوگ جنہوں نے عمر بھر کبھی نماز نہ ادا کی ہو، ساتویں دن دربار کی حاضری کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟ شفاعت، نجات اور جنت کے سرٹیفکیٹ کہاں کہاں سے ملتے ہیں اور یہ عطا کنندگان کون اور کیسے لوگ ہیں؟ بے دین اور بدکار مجاوروں کو

فحاشی اور بدکاری کے کیسے کیسے مواقع میسر آتے ہیں۔ بھنگ اور چرس کا دور کیسے چلتا رہتا ہے؟

اب آپ خود غور فرمایئے کہ شریعتِ مطہرہ میں ایسی باتوں کی گنجائش کہاں ہے؟ ظاہر ہے اگر ''مریدانِ باصفا'' کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرادیا جائے تو اس مکروہ کاروبار کا وجود خطرے میں پڑ جائے گا لہٰذا اس طبقہ نے اپنی بقاء اور عافیت اسی میں سمجھی کہ عوام کو قرآنی تعلیمات سے بے بہرہ ہی رکھا جائے کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری! رمضان ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوگیا اور عرب کا بیشتر علاقہ اسلامی اقتدار کے زیرنگین آ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسی ماہ مبارک میں جہاں عزیٰ، لات اور منات کے بتوں کو پاش پاش کرنے کیلئے علی الترتیب حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت سعید بن زیدؓ کی قیادت میں چھوٹے چھوٹے لشکر روانہ کئے، وہاں حضرت علیؓ کی قیادت میں ایک وفد اس غرض سے بھی بھیجا کہ مزارات کو منہدم کردیا جائے اور جو قبریں زمین سے ایک بالشت سے زیادہ اونچی ہوں خواہ پختہ ہوں یا کچی انہیں زمین کے برابر کردیا جائے۔

اس کے برعکس ہندوستان میں بہت سے ہندو، صوفیاء کرام کے توسط سے مسلمان ہوئے، جن کے ہاں ایسے لاتعداد آستانے پہلے سے موجود تھے اور چونکہ شرعی تعلیم کی طرف پوری توجہ نہ دی گئی لہٰذا ان نومسلموں کے اعتقادات اور افکار ونظریات میں کوئی کمی نمایاں رونما نہ ہوسکی اور رونما بھی کیونکر ہوتی؟ پہلے وہ مندروں میں بتوں کے سامنے سربسجود تھے تو اب مزارات ان کیلئے سجدہ گاہ بن گئے تھے، پہلے دیوتاؤں کے سامنے دست سوال دراز کیا جاتا تھا اب صوفیاء، اور پیروں نے ان کی جگہ لے لی، جن سے وہ مرادیں مانگنے لگے۔ ان حالات میں اسلام کی پابندی اور اعمال حسنہ کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی تھی۔ لہٰذا وہ روحانی مدارج، شرکیہ وظائف، قبروں پر چلہ کشی اور مرشد کی توجہ کے محتاج ہوکر رہ گئے، اس ظلمت کدہ میں شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانی، متوفی ۱۰۳۴ھ) نے حق کی آواز بلند کی اور ان مشرکانہ افکار ونظریات پر کاری ضرب لگائی، ان کی بھرپور کوششوں سے یہی فتنہ کسی حد تک دب گیا لیکن چونکہ قرآنِ مجید کی تعلیم کیلئے کوئی موثر کوشش نہ کی گئی تھی۔ لہٰذا اس فتنہ نے پھر سے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کردیئے۔ بالآخر اس مرض کی صحیح تشخیص کی سعادت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے حصہ میں آئی، انہوں نے اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کیلئے قرآن مجید کا فارسی زبان میں اولین ترجمہ شائع کرادیا تاکہ عام طبقہ جو عربی زبان سے ناواقف ہے، مقامی زبان میں قرآن کی تعلیم سے آشنا ہوسکے۔ لیکن ہمارے مولوی اور پیر جنہوں نے (اربابا میں دون اللہ) کا مقام حاصل کرلیا تھا، کی طرف سے اس کا ردِعمل یہ ہوا کہ وہ ان کے درپے ہوگئے اور ان پر کفر کا فتویٰ صادر کردیا۔ اس کے باوجود آپ نے ہمت نہ ہاری اور اسلامی تعلیمات سے متعلق نہایت

قیمتی ذخیرہ فارسی زبان میں منتقل کر دیا۔ بعد ازاں آپ کے خاندان سے شاہ رفیع الدینؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے اردو زبان میں قرآن کے تراجم پیش کئے جو آج تک بہت مقبول ہیں۔ ان لوگوں کی کوششوں سے بہت سے ہوگ فیض یاب ہوئے اور قرآنی تعلیمات میں دلچسپی لینے لگے۔ انہی دنوں عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے شرعی تعلیم کے نفاذ کیلئے بھرپور جدوجہد شروع کر رکھی تھی، کیونکہ وہاں بھی دینی تعلیم مفقود تھی اور لاتعداد آستانے وجود میں آچکے تھے جہاں مشرکانہ رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ شیخ موصوف کی اس تحریک کو نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور عرب کا علاقہ آہستہ آہستہ اس کے زیر نگیں آنے لگا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر وہاں کے مولوی اور پیر بھی حرکت میں آئے اور غیر شرعی حکومت میں شامل ہو کر شیخ مذکور پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ آپ کی جماعت کو شیخ مذکور کے نام ''محمد'' کی نسبت سے محمدی کہنے کی بجائے حسد و بغض کی بناء پر وہابی کہنا شروع کیا اور یہ لفظ آہستہ آہستہ گالی اور طعن قرار پا گیا۔ بعینہ اس دور میں ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پوتے شاہ اسماعیل شہیدؒ نے سید احمدؒ بریلی کی قیادت میں انہی مقاصد کی خاطر ایک تحریک چلائی جسے قبولِ عام حاصل ہوا اور مجاہدین کی ایک جماعت تیار ہوگئی، گو اس جماعت کے قائدین سکھوں اور پٹھانوں کی ملی بھگت سے ۱۲۴۶ھ میں بالاکوٹ میں شہید ہو چکے تھے، تاہم یہ جماعت بدستور کام کر رہی تھی اور انگریز کو اس جماعت سے سخت خطرہ لاحق تھا۔ لہٰذا یہاں بھی اس تحریک کو وہابی کی گالی سے نوازا جانے لگا۔

صحیح حل: قرآنِ کریم محض اس لئے نازل نہیں ہوا تھا کہ اسے متبرک کتاب سمجھ کر ریشمی غلاف میں محفوظ کر کے بلند طاقوں پر سجا دیا جائے یا تبرک کے طور پر کسی تقریب کا افتتاح کر لیا جائے، نہ ہی یہ اس لئے نازل ہوا کہ حروف، آیات اور کلمات کی صحیح صحیح گنتی کی جائے یا اسے اعلیٰ کاغذ پر خوشنما کر کے طبع کر دیا جائے، بلکہ یہ کتاب ہماری ہدایت کیلئے نازل ہوئی تھی کہ اسے سمجھا جائے اس میں تدبر کیا جائے، اور اس کی ہدایات اور احکام پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو سنوارا جائے اور اسلام کی سربلندی کیلئے کوشش کی جائے۔ لہٰذا ہمارے خیال میں اس کی بہترین صورت وہی ہے جس کی طرف ہم آغاز میں اشارہ کر چکے ہیں کہ بچے کو ابتداء ہی سے قرآنی الفاظ کے معانی سے بھی روشناس کرایا جائے۔ بچے بالکل ابتدائی تعلیم مسجدوں اور گھروں میں حاصل کرتے ہیں۔ اسی بنیاد سے یہ عمارت کھڑی ہونی چاہیے اور مدارسِ عربیہ میں تو لازماً پہلے ہی سال صرف و نحو کے ساتھ ساتھ ترجمہ قرآن بھی سرسری طور پر ختم کیا جانا چاہیے، تاکہ اگر کوئی طالب علم مدرسہ کا کورس پورا نہیں کر پاتا تو کم از کم قرآن کریم کے ترجمہ سے تو روشناس ہو سکے۔ چنانچہ اسی نظریہ کے تحت راقم الحروف نے بچوں کو ابتداء ہی سے ترجمہ پڑھانے کا تجربہ گھر سے شروع کیا جس کے نتائج نہایت حوصلہ افزاء ثابت ہوئے ہیں اور اسی بناء پر ہم یہ بات نہایت وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اونچی سطح پر بھی یہ تجربہ

نہایت کامیاب ثابت ہوگا۔ان شاءاللہ

ہمارا پروگرام: حفظ کرنے والے بچوں کو اگر ترجمہ بھی پڑھا دیا جائے تو انہیں حفظ کرنے میں بھی سہولت رہتی ہے۔ہم نے دیکھا ہے کہ ترجمہ پڑھنے سے بچے بھی خوش ہوتے ہیں اور ان کے والدین بھی۔ بچے جب اپنے گھروں میں جاکر والدین کو اپنے سبق کا ترجمہ بھی سناتے ہیں تو وہ باغ باغ ہو جاتے ہیں۔مدرسہ میں نظم وضبط پیدا کرنے کیلئے ہم نے یہ التزام کیا ہے کہ جو بچہ کلاس سے غیر حاضر ہوگا۔اسے پچاس پیسے یومیہ جرمانہ ہوگا۔فیس مطلقاً نہیں ہے، بچے اولاً تو بہت کم غیر حاضری کرتے ہیں، اور اگر غیر حاضر ہو جائے تو جرمانہ کی رقم بخوشی ادا کر دیتے ہیں اور یہ ترجمہ سے ان کی انتہائی دلچسپی کا نتیجہ ہے۔اندریں صورت سب دوستوں سے گزارش ہے کہ وہ اس بے حد اہم کام کی طرف فوری توجہ دیں اور ناظرہ قرآن کریم پڑھانے کے ساتھ ساتھ بچوں کو ترجمہ سکھانے کا بھی التزام کریں۔

کاروانِ فروغِ اسلام کے استقبال کیلئے رئیس الجامعہ کا تبلیغی و تنظیمی دورہ

کاروانِ فروغِ اسلام کے جہلم شہر میں بھرپور استقبال کے سلسلہ میں رئیس الجامعہ نے ضلع جہلم کیمساجد اہل حدیث میں دروس کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔جس میں وہ مقامی انجمن اہل حدیث، متعلقہ مسجد کمیٹی، اہل حدیث یوتھ فورس اور اہل حدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن کے عہدیداران وکارکنان سے میٹنگز بھی کر رہے ہیں، مندرجہ ذیل مساجد میں دروس ہو چکے ہیں۔جامع مسجد اہل حدیث کوٹلہ ائمہ، حاجی ائمہ، جامع مسجد ابوبکرؓ ڈھوک جمعہ، جامع مسجد محلّہ مستریاں، جامع مسجد الہ پوران، جامع مسجد علیاء سول لائن، مسجد عمر فاروقؓ بلال ٹاؤن، جامع مسجد مدنی سعیلہ کینٹ، جامع مسجد مبارک، جامع مسجد المعراج فلور ملز کالا گجراں، جامع مسجد ابراہیمی کالا گجراں، جامع مسجد السلومی کریم پورہ، جامع مسجد رحمت الٰہی بلال ٹاؤن، جامع مسجد اہل حدیث خورد، جامع مسجد اہل حدیث دینہ وغیرہ

خالد فریج ورکشاپ کا افتتاح

جہلم شہر میں فریج، ایرکنڈیشنڈ کے کام میں بڑا نام کمانے والے جناب عبدالمالک مغل مرحوم کے ہونہار صاحبزادگان خالد محمود مغل اور طارق محمود مغل نے اپنا کاروبار ''**خالد ریفریجریشن سنٹر**'' کے نام سے جامعہ علوم اثریہ سے ملحق نئی الاثریہ بلڈنگ میں منتقل کر لیا ہے، اس کی افتتاحی تقریب مؤرخہ 6 فروری کو شام چار بجے بڑے باوقار انداز میں منعقد ہوئی۔جس میں مقامی سیاسی، سماجی اور کاروباری حضرات کے علاوہ لاہور اور اسلام آباد سے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے نمائندوں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔تقریب کا آغاز جامعہ کے ننھے منے طالب علم حافظ ثناء اللہ کی تلاوت کلام مجید سے ہوا۔اس کے بعد انہوں نے اپنے نئے و پرانے ورکروں میں انعامات تقسیم کئے۔بعد ازیں جامعہ کے طالب علم حافظ محمد عثمان نے بڑی خوبصورت آواز میں نظم پڑھی۔آخر میں رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر نے مختصر خطاب اور دعائے خیر کی۔پروگرام کی کمپیئرنگ جناب محمد عمر بٹ نے کی۔